زمانے میں پریس کا آغاز ہندوستان میں نیا نیا ہوا تھا، فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی کے بیان کے مطابق ممالکِ مغربی شمالی میں سب سے پہلا لیتھوگراف مطبع ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۷ء میں دہلی میں قایم ہوا تھا[1] مطبع احمدی دہلی سے حدیث کی کتابوں کی اشاعت کا خوب کام ہوا، اور ہندوستان میں پہلی مرتبہ حدیث کی کتابیں طبع ہوکر عام ہوئیں اس سے پہلے یہ کتابیں ہاتھ کی لکھی ہوئی ہوتی تھیں اور صرف خاص خاص لوگوں کے پاس پائی جاتی تھیں، ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء میں سب سے پہلے جامع ترمذی چھپی، ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء میں صحیح بخاری اور پھر ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء میں مشکوٰۃ المصابیح طبع ہوئی، ہندوستان میں حدیث کی یہ پہلی کتابیں ہیں جو زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں مطبع احمدی کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس مطبع کی چھپی ہوئی کتابیں صحت کے لحاظ سے مثالی سمجھی جاتی ہیں، بعد کے تمام ناشرینِ حدیث نے صحت کے لئے انہی کتابوں کو معیار قرار دیا ہے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں مطبع احمدی کو سخت نقصان پہونچا تو محدث سہارنپوریؒ نے اسے دہلی سے میرٹھ منتقل کر دیا۔

---

[1] ترجمہ خطبات گارساں دتاسی مطبوعہ انجمن ترقی اردو دہلی ص ۱۷۸۔

[2] راقم سطور کے فاضل دوست پروفیسر محمد ایوب قادری نے لکھا ہے کہ مطبع احمدی دہلی ۱۲۶۲ھ میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے حجاز سے واپس آکر قایم کیا تھا، ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں یہ مطبع ختم ہوگیا۔" (مولانا محمد احسن نانوتوی ص ۲۱۰ و ۲۱۲) مگر حقیقت یہ ہے کہ مطبع احمدی سب سے پہلے نواح کلکتہ میں سید عبداللہ ابن میر بہادر علی حسینی نے قایم کیا تھا، میر بہادر علی حسینی فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے شعبہ تصنیف و ترجمے سے وابستہ تھے، اولاً اس مطبع میں نستعلیق ٹائپ میں طباعت ہوتی تھی، چناں چہ دار العلوم دیوبند کے کتب خانے میں تقویۃ الایمان مصنفہ مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کا وہ نسخہ موجود ہے جو ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء میں کلکتہ میں نستعلیق رسم الخط کے ٹائپ میں چھپا ہے، اس کے بعد شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء میں اسی مطبع میں بمقام دہلی طبع ہوا ہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کلکتہ سے مطبع احمدی دہلی منتقل کر دیا گیا ہوگا، اور محدث سہارنپوریؒ نے اسے سید عبداللہ سے خرید لیا ہو اور سابقہ نام ہی باقی رکھا ہو، جس طرح بعد میں مولوی عبدالاحد مرحوم

مطبع احمدی دہلی کی چھپی ہوئی صحیح بخاری اور مشکوٰۃ المصابیح کے نسخے دار العلوم دیوبند کے کتب خانے میں موجود ہیں، ان کے حواشی کی نسبت راقم سطور کا خیال ہے کہ یہ خود حضرت محدث سہارن پوری کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں البتہ حدیث کا متن کاتب کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

درس وتدریس اور کتب حدیث پر حواشی | شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب اوجز المسالک کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

"علوم سے فراغت کے بعد پڑھانے میں مشغول ہو گئے، دہلی میں مطبع احمدی جاری کیا اس میں حدیث کی کتابیں چھاپیں اور ان پر مفید حاشیے لکھے، خاص طور سے صحیح بخاری کا نہایت عمدہ حاشیہ لکھا ہے، بخاری کے آخری پانچ پاروں کے حواشی ان کی فرمائش پر حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے کئی بے نظیر رسالے بھی لکھے ہیں، جن میں سے ایک رسالہ الدلیل القوی علی ترک قراءۃ للمقتدی ہے۔"

مولانا عبد الحیٔ لکھنویؒ نے نزہۃ الخواطر میں لکھا ہے:۔

"مکہ مکرمہ سے واپس آکر تعلیم وتدریس میں مشغول ہو گئے، ذریعۂ معاش تجارت تھا، حدیث میں پوری بصیرت رکھتے تھے، اپنی عمر صحاح ستہ بالخصوص صحیح بخاری

(باقی حاشیہ پچھلے صفحہ کا)، نے مطبع مجتبائی منشی ممتاز علی سے خرید یا تھا، مگر مجتبائی نام جوں کا توں باقی رکھا۔ دار العلوم دیوبند کی روداد ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مطبع احمدی دہلی سے میرٹھ منتقل ہو چکا تھا (روداد ۱۲۸۴ھ ص ۲۳) میرٹھ سے پھر کسی وقت یہ مطبع دہلی منتقل ہو گیا، جہاں ۱۲۸۰ھ میں موضح قرآن کا جو ایڈیشن محمد ثابت علی و سید غلام حسین کے اہتمام میں چھپا ہے اس پر مطبع احمدی دہلی چھپا ہوا ہے، موضح قرآن کا مطبع احمدی دہلی کا یہ مطبوعہ نسخہ دار العلوم دیوبند کے کتب خانے میں موجود ہے۔ سید محبوب رضوی۔

کے پڑھانے میں صرف کر دی، دس سال صحیح بخاری کی تصحیح میں لگے بخاری پر مفصل حاشیہ لکھا[1]۔"

شیخ الحدیث حضرت مولانا ذکریا صاحب نے لکھا ہے کہ:-

"کتب حدیث میں بین السطور حاشیے کے بعد جہاں جہاں ۱۲۔ مولانا کا لفظ آتا ہے اس کے لکھنے والے یہی مولانا احمد علی صاحب ہیں اور "مولانا" کے مصداق حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب ہیں[2]۔"

کتب حدیث پر محدث سہارن پوری کے حواشی یکساں طور پر تمام علماء میں مسلّم اور مقبول ہیں، انہوں نے اپنے حواشی میں مطالب حدیث کی توضیح کے علاوہ اسماء الرجال کے تلفظ یعنی صحتِ اعراب، رواتِ حدیث کی کنیتوں اور نسب وغیرہ امور پر بھی کلام کیا ہے، صحیح بخاری کی تصحیح اور اس پر حاشیہ لکھنے میں انہوں نے جو محنت شاقہ اور جگر کاوی کی ہے اس کی نسبت اپنے حاشیے کے خاتمہ پر لکھا ہے:-

"اللہ تعالےٰ کی رحمت کا امیدوار اور حدیث نبوی کا خادم احمد علی کہتا ہے کہ خداوند تعالےٰ کی مدد سے سید المحدثین شیخ الاسلام امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کی طباعت کا کام اتمام کو پہونچا، جس کے لئے میں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کیا، دنوں کو بے آرام رہا، اور راتوں کو جاگ کر کاٹا، بخاری کے معنی کی تصحیح و توضیح، مطالب کی تنقیح، اسماء الرجال کی حرکات اور ان کے نسب اور کنیتوں اور القاب و حالات کے پیش نظر دن رات ایک کر دیئے۔"

صحیح بخاری کی طباعت کا سن مولانا سید سلیمان ندوی نے ۱۲۶۳ھ لکھا ہے، چنانچہ حیات شبلی میں لکھتے ہیں:-

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۴۳ [2] تاریخ مظاہر ص ۴۱۔

"مولانا سہارن پوری کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ حدیث کی قلمی کتابوں کو سخت محنت سے صحیح کر کے چھاپ کر عام کیا، چنانچہ ۱۲۶۵ھ میں جامع ترمذی اور ۱۲۶۷ھ میں صحیح بخاری شایع کی[1]۔"

مگر راقم سطور کے نزدیک صحیح بخاری کا سنِ طباعت ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء ہے، چنانچہ بخاری کا جو نسخہ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں دہلی کے مطبع مجتبائی میں نہایت صحت و اہتمام کے ساتھ چھاپا گیا ہے اس کے آخر میں مطبع مجتبائی کی جانب سے یہ لکھا ہوا ہے:-

"در تصحیح اصل کتاب و تحریر حواشی نایاب کارہا نمودند کہ رقبۂ احسانش بر رقبۂ علماء تا قیامت خواہد ماند و در ۱۲۷۰ھ طبع کنانیدہ اشاعتِ عام فرمودند بعد ازاں صاحب زادگانِ ایشاں کہ از علوم نقلیہ و عقلیہ و اخلاقِ محمدیہ بہرہ وافی دارند در ۱۲۸۶ھ باز ۱۳۰۰ ہجری حلیۂ طبع پوشانیدند[2]"

صحیح بخاری کے آخر میں اس کی طباعت کا جو مادہ تاریخ کا لکھا ہوا ہے اس سے بھی ۱۲۷۰ھ کی تائید ہوتی ہے لکھا ہے:-

"ھٰذہ مادۃ تاریخ ختم الطبع استخرجہا المولوی محمد عمر بن المولوی احمد سعید المجددی قد طبع اصح کتب بعد کتب اللہ ۱۲۷۰"

اس لئے صحیح بخاری کی طباعت ۱۲۷۰ھ ہی میں سمجھنی چاہیئے، اس اختلاف کا یہ سبب ہو سکتا ہے کہ ۱۲۶۷ھ سے طباعت کا آغاز ہوا ہو اور ۱۲۷۰ھ میں تکمیل کی نوبت آئی ہو، صحیح بخاری جیسی ضخیم کتاب کے لئے ایسا ہونا کچھ مستبعد نہیں ہے۔

---

[1] حیات شبلی ص ۸۵

[2] محولہ عبارت صحیح بخاری مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۲۲ھ کے سرورق کے صفحہ ۴ پر درج ہے۔

محدث سہارن پوری نے صحیح بخاری کا یہ حاشیہ مفتی صدر الدین آزردہ[1] کو بھی دکھلایا ہے، چناں چہ مفتی صاحب نے اس پر ایک گراں قدر تقریظ تحریر فرمائی ہے جو صحیح بخاری کے آخر میں درج ہے۔

تجارت اور سخاوت

محدث سہارن پوری کا ذریعہ معاش کتابوں کی تجارت تھی جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے انہوں نے کتابوں کے چھاپنے کے لئے خود مطبع قایم کیا تھا، اس سے بڑی آمدنی تھی اور خوب فراغت اور مرفہ حالی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے، روزانہ نئی پوشاک زیب تن کرتے اور اتارے ہوئے کپڑے غریبوں کو تقسیم کر دیئے جاتے تھے، معمول یہ تھا کہ رمضان شروع ہونے سے پہلے سال بھر کے دنوں کی تعداد کے مطابق کرتے، پاجامے اور ٹوپیاں سلوالی جاتی تھیں، علی الصباح جو سائل سب سے پہلے مکان پر پہونچ جاتا اُسے تینوں کپڑے دیدئے جاتے تھے۔

---

[1] مفتی صدر الدین آزردہ ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، حضرت شاہ عبد العزیز، شاہ عبد القادر اور شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی سے علوم کی تکمیل کی، دہلی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے صدر الصدور اور مفتی کے منصب پر فائز تھے اور بطور خود مکان پر طلبا کو بھی پڑھاتے تھے، بعد ازاں دہلی کے قدیم مدرسہ دار البقار کو از سر نو جاری کیا، طلبا کے جملہ مصارف کی کفالت خود کرتے تھے، عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، ان کے پاس ایک بیش قیمت کتب خانہ بھی تھا جس کی مالیت کا اندازہ تین لاکھ روپے کیا گیا ہے، ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتوے پر دستخط کرنے کے جرم میں گرفتار کر لئے گئے، جائیداد اور کتب خانہ ضبط ہو گیا، بڑی مشکل سے کئی مہینے کے بعد رہائی ہوئی، کچھ جائیداد بھی واگذار ہو گئی تھی مگر کتب خانہ ہاتھ نہ آسکا۔

تقریظ کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کو عربی زبان و ادب میں اچھی دستگاہ حاصل تھی۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء بروز پنجشنبہ دہلی میں انتقال ہوا۔

۱۸۵۷ء میں جب مطبع احمدی تباہ ہو گیا تو کچھ دنوں تک سہارن پور میں آپ کا قیام رہا، پھر میرٹھ میں مطبع احمدی از سر نو قائم کیا، بعد ازاں کلکتہ چلے گئے۔ علامہ شبلی کا بیان ہے کہ:

"اللہ تعالے نے دنیوی دولت سے متمتع فرمایا تھا، کتب حدیث کی طباعت واشاعت فرمائی اس کام میں اللہ تعالے نے برکت دی ۱۸۵۷ء میں سب کچھ لٹ گیا، دو برس تک اپنے مکان پر بیٹھ کر درس دیتے رہے، پھر شیخ الٰہی بخش رئیس میرٹھ کی طرف سے کلکتہ جاکر کاروبار جاری کیا، جس سے آپ کو پانچ سو روپے ماہوار کی آمدنی تھی، اس زمانے میں صبح سے ۹ بجے تک مسجد حافظ جمال الدین میں درس دیتے تھے، تقریباً دس سال کلکتہ میں قیام رہا[1] یہ وہی مسجد ہے جس میں بعد میں مولانا حفظ الرحمٰن نے بھی کچھ عرصہ درس قرآن دیا ہے۔

قیام کلکتہ کے زمانے میں وطن میں آمدورفت رہتی تھی، تاریخ مظاہر میں لکھا ہے کہ جب کلکتہ سے تشریف لاتے تو مدرسہ مظاہر علوم کی ہر نوع کی ہمت افزائی اور دستگیری فرماتے[2] مظاہر علوم کے دو طلبار کا کھانا آپ کے یہاں سے مقرر تھا، سالانہ جلسوں میں طلبار کو انعام میں بخاری کے نسخے تقسیم فرمایا کرتے تھے، اور اس میں بڑی حوصلہ مندی سے کام لیتے تھے، چنانچہ مظاہر علوم کی ابتدائی عمارت اور مسجد کے لیے دس ہزار روپے کی خطیر رقم زیادہ تر انہی کی کوشش کا نتیجہ تھی[3]

دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی چندہ دہندگان میں بھی اُن کا اسم گرامی نظر آتا ہے[4]۔

سہارنپور میں قیام

۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء میں محدث سہارنپوری کلکتہ سے وطن چلے آئے اور مستقل طور پر سہارنپور میں مقیم ہو گئے۔ تاریخ مظاہر میں ۱۲۹۱ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ اس سال اراکین مدرسہ میں ایک قابل قدر اضافہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے اس سال کلکتہ سے قطع تعلق کر کے سہارنپور میں

---

۱ حیات شبلی ص ۸۶ ۲ و ۳ تاریخ مظاہر ص ۷، و ص ۱۱

۴ روداد دارالعلوم دیوبند ۱۲۸۴ھ ص ۳۳

مستقل قیام فرمایا، اور مدرسہ کی غیر موقت امداد فرمائی۔ مدرسہ کے ساتھ حضرت ممدوح کی اعانت اور توجہات قیام کلکتہ ہی کے زمانے سے شروع ہو چکی تھیں، جب کبھی تشریف لاتے مدرسہ کی ہر نوع کی تربیت فرماتے، حضرت مولانا سعادت علی صاحب کے وصال کے بعد سے اب تک مدرسہ کی نیابت کسی کے سپرد نہیں ہوئی تھی، حضرت ممدوح کی تشریف آوری پر مولانا مرحوم کی جگہ حضرت کا اسم گرامی لکھا جانے لگا۔[1]

آگے چل کر لکھا ہے کہ: حضرت مولانا مولوی حافظ احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے جن کے تقدس اور کمال کے آوازے سے ہندوستان گونج رہا ہے مدرسہ کی سرپرستی کا بار اپنے دوش پر اٹھایا اور ایک خاص بڑی جماعت کو مدرسہ کی مسجد میں بیٹھ کر بلا معاوضہ صحاح ستہ کا درس دیا۔"

دارالعلوم دیوبند کا سنگِ بنیاد ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء میں جب دارالعلوم دیوبند کی سب سے پہلی عمارت تعمیر ہوئی جو "نودرسے" کے نام سے موسوم ہے تو اس کا سنگِ بنیاد حضرت محدث سہارنپوری کے دستِ مبارک سے رکھوایا گیا، روداد دارالعلوم دیوبند ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء میں لکھا ہے کہ: اول پتھر بنیاد کا جناب مولانا مولوی احمد علی صاحب نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا، اور بعد میں جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب و مولانا مولوی رشید احمد صاحب اور مولانا مولوی محمد مظہر صاحب نے ایک ایک اینٹ رکھی ہے۔[2]"

تلامذہ محدث سہارنپوری اپنے زمانے کے نامور عالم اور ممتاز محدث تھے، اس عہد میں اُن کو بڑی مرکزیت و مرجعیت حاصل تھی، اکثر علماء تکمیلِ علوم کے بعد اجازت حدیث کے سلسلے کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اس عہد کا مشکل سے کوئی ممتاز عالم ہوگا

---

[1] تاریخ مظاہر ص ۲۷ و ۳۰۔ [2] ایضاً ص ۶۸۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جس نے محدث سہارنپوری سے سند و اجازت حاصل نہ کی ہو؛ اُن کی ساری عمر خدمتِ حدیث میں گزری۔ جس میں دس سال صرف صحیح بخاری کی تصحیح و تحشیہ میں صرف ہوئے۔ [۱] اُن کے تلامذہ کا بڑا وسیع حلقہ تھا، جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا اسم گرامی سر فہرست ہے، حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحؒ مؤسس دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور علامہ شبلی مرحوم بھی ان کے تلامیذ میں شامل ہیں، اُن کے آخری دور کے ایک شاگرد مولانا محمد صدیق دیوبندیؒ (وفات ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء) تھے۔ راقم سطور کو مولانا موصوف سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں محدثِ سہارنپوریؒ نے جن کتابوں کا درس دیا اُن کی تفصیل یہ ہے:۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، شمائل ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح، موطا امام محمد، جامع صغیر، جلالین، ترجمہ قرآن مجید، احیاء العلوم، درمختار، سراجی، قدوری اور شرح جامی۔

محدثِ سہارنپوری مظاہر علوم کے طلباء کو اپنے مکان کے علاوہ مدرسہ میں بھی پڑھاتے تھے، تاریخ مظاہر میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب اب تک اپنے دولت کدہ پر تدریس فرماتے تھے، اس سال سے مدرسہ میں قیام فرما کر تعلیمی و تدریسی سلسلہ شروع فرما دیا، حضرت کی شہرت نواحِ ہند میں جیسی ہونی چاہیئے تھی وہ ظاہر ہے، اس لیے طلبائے حدیث میں بہت اضافہ ہوا اور پچیس [۲۵] طلباء حدیث کی تکمیل کر کے اطراف ہند میں مصابیحِ ہدایت بنے۔ [۲]

(حاشیہ صفحہ گذشتہ کا) [۱] روداد دار العلوم ۱۲۹۲ھ دیوبند ص ۱۰۔ یہ دار العلوم دیوبند کی سالانہ روداد کا بیان ہے مگر ارواحِ ثلاثہ کی روایت میں ہے کہ سنگِ بنیاد حضرت میاں جی منے شاہ صاحبؒ نے رکھا تھا، ظاہر ہے کہ روداد کا بیان زیادہ صحیح اور لائق استناد ہے۔ (حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] سیرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ ص ۲۶
[۲] تاریخ مظاہر ص ۳۰ و ۳۱۔

۱۲۹۵ھ میں طلبائے حدیث کی تعداد ۳۸ تک پہنچ گئی تھی، روداد میں لکھا ہے کہ ان سب حضرات نے حضرت مولانا احمد علی صاحب سے صحاح ستہ پڑھ کر سند حاصل کی[1] اُن کے درسِ حدیث کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں صرف پانچ طلبار دورۂ حدیث میں شریک تھے، ۱۲۹۱ھ سے ۱۲۹۷ھ تک آپ کا درس حدیث مظاہر علوم میں جاری رہا[2]

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے درس میں برکت بخشی تھی، سیکڑوں علمار اس فیض سے سرفراز ہوئے، اُس زمانے میں علمائے حدیث میں موصوف سے بڑھکر علم حدیث کا کوئی عالم ہندوستان میں نہ تھا، اس زمانے کے اکثر بڑے بڑے علمار احناف محدثِ سہارنپوریؒ کے شاگرد تھے اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ عمل اور عمل کے ساتھ دولت کی برکت بھی عطا فرمائی تھی[3]

تواضع علامہ شبلی مرحوم کا بیان ہے کہ محدثِ سہارنپوریؒ بے حد منکسرالمزاج، متواضع اور نیک تھے، کبھی مسجد میں امامت نہیں کی، چپکے سے مسجد میں جاتے اور نماز میں شامل ہو کر واپس آجاتے، بازار سے سودا خرید کر خود لاتے تھے مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بازار میں مولانا کو میں نے دیکھا تو پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیا کہ سودا لے لوں، مگر مولانا کسی طرح اس پر راضی نہ ہوئے، اور خود اپنے ہاتھ سے لے کر گھر آئے[4]

محدثِ سہارنپوریؒ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ اپنے شاگردوں کا بھی ایسا احترام کرتے جیسے شاگرد اپنے استاد کا کرتے ہیں، مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کا بیان ہے کہ: درس سے فارغ ہو کر اپنے مکان میں لیٹ جاتے تھے، میں حاضر ہوتا تو اُٹھ کر بیٹھ جاتے، ایک دن

---

[1] تاریخ مظاہر ص ۳۵ [2] ایضاً ۱۸

[3] حیاتِ شبلی ص ۸۵ [4] ایضاً۔

میں نے عرض کیا کہ: میں آپ کا ادنیٰ شاگرد ہوں، سیکڑوں علما آپ کے شاگرد ہیں، عمر میں بھی آپ میرے والد سے زائد ہیں، اس عمر میں آپ سارے دن پڑھا کر لیٹ جاتے ہیں، اور پھر میری حاضری میں اُٹھ بیٹھتے ہیں، اس کا کچھ جواب نہ دیا۔[1]

وفات

محدثِ سہارنپوری پر آخر عمر میں فالج کا حملہ ہوا، اسی میں ۶ رجمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ م ۱۷ اپریل ۱۸۸۰ء بروز شنبہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا، ۷۲ سال کی عمر پائی، سہارنپور میں عیدگاہ کے قریب اپنے آبائی قبرستان میں آسودۂ خواب ہیں۔

وفات پر سرسید کا تاثر

آپ کی وفات پر سرسید مرحوم نے اپنے دلی تاثرات کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے:۔

"مولوی محمد قاسم صاحب کے واقعے کی خبر ہم لکھ ہی چکے ہیں کہ دفعتہً ہم کو دوسری ویسی ہی حسرت ناک خبر جناب مولوی احمد علی صاحب محدثِ سہارنپوری کے واقعہ جاں کاہ کی پہنچی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی محمد قاسم صاحب کے واقعے کے متصل اس واقعہ کا ہونا اور بھی زیادہ حسرت اور افسوس کا باعث ہے، ایک ہی وقت میں دو ایسے بزرگانِ دین کا اٹھ جانا درحقیقت نہایت اندوہ ناک واقعات ہیں، مولوی احمد علی صاحب اگرچہ اب بہت ضعیف ہو گئے تھے لیکن بایں ہمہ بہت غنیمت تھے، انھوں نے حدیث کو اس طریق پر حاصل نہیں کیا تھا جس طرح سے اور اکثر علمار کا دستور ہے کہ سند کے سلسلے کو درست کرنے کی نیت سے کسی کتاب کے چند ورق یا چند جز کسی صاحبِ سند عالم سے پڑھ لئے اور بے فکر ہو گئے۔

جناب مولوی احمد علی صاحب نے تمام کتبِ صحاح اور بعض دیگر کتبِ حدیث کو من اولہ والی آخرہ جناب مولوی محمد اسحٰق صاحب سے سبقاً سبقاً پڑھا تھا، اور جب کہ

---

[1] سیرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ ص ۲۷۔

مولوی محمد اسحٰق صاحب نے دہلی سے ہجرت فرمائی تو مولوی احمد علی صاحب مکہ معظمہ کو تشریف لے گئے اور خاص حرم بیت اللہ میں حدیث کی کتابوں کو مولوی محمد اسحٰق صاحب سے تمام کیا اور اس کے بعد ہندوستان واپس آئے، اور یہاں پہنچ کر انہوں نے حدیث کی کتابوں کو نہایت عمدگی اور صحت سے چھاپا اور اُن کو مشتہر کیا۔ خصوصاً بخاری کو جس خوبی اور عمدگی سے انہوں نے چھاپا وہ اُن کی ایک بے نظیر کوشش تھی۔

آخر عمر میں جناب ممدوح نے اپنے آپ کو مدرسہ اسلامیہ سہارنپور کی خدمات کے لیے جو کچھ اُن سے اُس وقت ممکن تھا وقف کر دیا تھا، اور اسی شغل میں اُن کا حُسنِ خاتمہ ہوا، خدا غریقِ رحمت کرے، یہی راہ سب کو چلنی ہے، جو اس وقت زندہ ہیں اُنکی نسبت بھی کسی وقت سُنا جاوے گا کہ نہیں ہیں۔ کل من علیھا فانٍ[۱]"

اولاد محدثِ سہارنپوریؒ کے چھ صاحبزادے تھے، اور ایک صاحبزادی، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا حکیم عبد الرحمٰن، مولانا حکیم عبد الغنی یہ تینوں حضرات حیدر آباد چلے گئے تھے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ۱۳۰۷ھ سے ۱۳۱۳ھ تک مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں صدر مدرس رہے، ۱۳۱۴ھ میں ریاست حیدر آباد دکن میں مفتیٔ اعظم کے منصبِ جلیل پر فائز ہوئے، درس و تدریس کے علاوہ اُن کے علمی کاموں میں مسند امام اعظم کا اردو ترجمہ ہے جو ۱۳۰۸ھ میں چھپا ہے، ترجمے کی زبان رواں دواں، سلیس اور شگفتہ ہے، مولانا حکیم عبد الحیٔ لکھنویؒ نے اپنے سفرنامہ میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے سہارنپور میں اپنی ایک ملاقات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے، لکھا ہے کہ: میں نے پوچھا آج کل آپ کیا پڑھاتے ہیں؟

---

[۱] علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ اشاعت ۲۴ اپریل ۱۸۸۰ء ص ۲۶۸ و ۲۶۹۔

فرمایا: چار برس سے اہل شہر کے اصرار سے میں نے مظاہر علوم سے تعلق پیدا کر لیا ہے، آج کل صحاح ستہ و توضیح و تلویح و ہدایہ و بیضاوی وغیرہ پڑھاتا ہوں۔"

حکیم صاحب پھر آگے چل کر لکھتے ہیں: مولوی صاحب شکل و صورت کے بہت وجیہہ، قدو قامت میں درست، مہذب، متین، خوش پوشاک اور شوقین ہیں، پانچ چھ روپے کا پنجابی جوتہ پہنے ہوئے، گھڑی ہاتھ میں باندھے ہوئے، پان رکھنے کی تین تین ڈبیاں جیب میں، ایک جرمن سلور کی جس میں پان، دوسری ربڑ کی جس میں چھالیا ہے، تیسری بلّور کی جس میں بنارس کی بسی ہوئی تمباکو کی گولیاں رکھی ہیں۔"[1]

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اپنے دور میں علم و فضل اور ذہانت و ذکاوت میں بے نظیر تھے، اُن کی زندگی کے عجیب و غریب اور حیرت انگیز واقعات مشہور ہیں، ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

مولانا حکیم عبدالرحمٰن صاحب درس و تدریس کے ساتھ مطب بھی کرتے تھے نظام دکن کے شاہی طبیب تھے، "دواخانہ رحمانی" حیدرآباد میں ان کی یادگار ہے، ان کے ذریعے سے دکن میں علم حدیث کا فیض خاص طور سے پہنچا، اُن کے ایک شاگرد مولانا عبداللہ صاحب تھے جو محدث دکن کے لقب سے مشہور تھے، جن کی تالیف زُجاجۃ المصابیح[2] حدیث کی ایک اہم کتاب ہے، مولانا حکیم عبدالرحمٰن صاحب کے خلف الرشید مولانا عبدالقیوم اور مولانا عبدالحیٔ تھے، مؤخرالذکر جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد میں عربی زبان کے پروفیسر تھے۔ انہیں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحؒ سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔

مولانا عبدالغنی صاحب حیدرآباد میں وکالت کرتے تھے، اُن کے ایک فرزند

---

[1] دہلی اور اس کے اطراف، سفرنامہ مولانا حکیم عبدالحیٔ لکھنوی رحؒ ص ۱۲۶۔

[2] زُجاجۃ المصابیح، مشکوٰۃ المصابیح کے طرز پر حنفیہ کے لیے احادیث نبوی کا ایک جامع اور مستند ذخیرہ ہے جو چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، یہ کتاب حیدرآباد دکن کے تاج پریس میں چھپی ہے، اس کی پہلی جلد ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی ہے۔

محمود الغنی تھے، انہیں بھی حضرت تھانویؒ نے خلافت سے سرفراز فرمایا تھا۔ یہ مجذوب صفت اور صاحبِ حال بزرگوں میں سے تھے، مرشد تھانویؒ سے غیر معمولی تعلق بلکہ عشق تھا، اُن کو دیکھ کر حضرت تھانویؒ کے مریدین میں اپنے مرشد کی یاد تازہ ہوجاتی تھی[1]

ان حضرات کی اولاد حیدرآباد سے پولس ایکشن کے بعد پاکستان منتقل ہوگئی ہے۔ ایک صاحبزادہ مظہر الحق تھے جو لاولد فوت ہوئے۔

چھٹے فرزند عطاء الرحمٰن تھے ان کا نوجوانی ہی میں انتقال ہوگیا تھا۔

محدث سہارنپوری کی ایک صاحبزادی نبیتن تھیں، یہ دیوبند میں مولانا فصیح الدین عثمانیؒ سے بیاہی تھیں، یہ راقم سطور کی والدہ کی نانی ہوتی تھیں۔

مولانا خلیل الرحمٰن صاحب بڑے پیمانے پر عمارتی لکڑی کا کاروبار کرتے تھے، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی مجلس منتظمہ کے ممبر تھے، اس کے علاوہ مدت تک دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم رہے، ذی علم اور باوقار علماء میں تھے، اُن کے فرزندوں میں مولانا منظور النبی مرحوم تحریک آزادی ہند کے قائدین میں سے تھے، دوسرے فرزند مولانا عقیل الرحمٰن صاحب ندوی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں دینیات کے اُستاذ تھے، اُن کے بچے بھی پاکستان چلے گئے ہیں۔

مولانا منظور النبی مرحوم کے ایک صاحبزادے ظہیر النبی ایم اے، ایل ایل بی ہیں، جو حکومت یو۔پی کے محکمۂ خوراک میں ایک بڑے عہدے پر فائز ہیں۔ راقم سطور کا یہ ننھیالی خاندان ہے۔

مآخذ و مراجع

(۱) اوجز المسالک : شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریا صاحب، مطبوعہ سہارنپور

(۲) ارواحِ ثلاثہ : مجموعہ حکایات امیر شاہ خاں، مطبوعہ آزاد پریس دیوبند

[1] ماہنامہ "البلاغ" کراچی بابت ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ ص ۳۵۔

۴) تاریخ مظاہر: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، ناشر کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور

۵) تاریخ دیوبند: سید محبوب رضوی، ناشر علمی مرکز دیوبند۔

۵) ترجمہ مسند امام اعظم: مترجمہ مولانا حبیب الرحمٰن سہارنپوری، مطبوعہ ۱۳۰۸ھ

۶) تقویۃ الایمان: مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ، مطبوعہ کلکتہ ۱۲۴۲ھ ۱۸۲۶ء

۷) حاشیہ و مقدمہ بخاری شریف: مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۲ھ

۸) حیات شبلی: مولانا سید سلیمان ندوی، مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ

۹) خطبات گارساں دتاسی: مطبوعہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۳۵ء۔

۱۰) الدلیل القوی علیٰ ترک قرأۃ المقتدی: مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ

۱۱) دہلی اور اس کے اطراف: سفرنامہ مولانا حکیم عبدالحیؒ لکھنوی مطبوعہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۵۸ء

۱۲) روداد دارالعلوم دیوبند ۱۲۸۴ھ، ۱۲۹۲ھ، ۱۲۹۵ھ: شائع کردہ دارالعلوم دیوبند۔

۱۳) زجاجۃ المصابیح: مولانا سید عبداللہ، مطبوعہ تاج پریس حیدرآباد ۱۳۷۱ھ۔

۱۴) سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری: سید محمد الحسنی، مطبوعہ لکھنؤ شاہی پریس ۱۹۶۴ء۔

(۱۵) علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ: مطبوعہ ۱۸۸۰ء۔

۱۶) موضح قرآن: شاہ عبدالقادر دہلویؒ، مطبوعہ مطبع احمدی دہلی ۱۳۰۷ھ

۱۷) مولانا محمد احسن نانوتوی: محمد ایوب قادری ایم۔ اے، مطبوعہ کراچی۔

(۱۸) ماہنامہ البلاغ کراچی: محمد تقی عثمانی ۱۳۸۷ھ۔

(۱۹) مجموعہ مکاتیب غیر مطبوعہ: مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، خطوط کا یہ
مجموعہ راقم سطور کی ماموں زاد بہن طیبہ سلمہا ایم اے مترجم حیات ربیع احمد قنعانی کے پاس موجود ہے۔

(۲۰) مذکورہ ماخذ و مصادر کے علاوہ خاندانی یادداشتوں اور خاندان کے بزرگوں سے سُنی ہوئی باتوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔

شاہ ابوالرضا الہندیؒ

خاندان ولی اللّٰہی کے ایک مُربّی و محسن

جناب مولوی عبدالحئی فاروقی ایم، اے۔ تغلق آباد نئی دہلی

سترہویں صدی عیسوی کے ایک مقدس بزرگ شاہ وجیہہ الدین شہیدؒ کے فرزندوں میں شاہ ابوالرضاء محمدؒ سب میں بڑے تھے، آپ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۷۶۲ - ۱۷۰۳ء) کے عم بزرگوار اور ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم دہلویؒ (۱۷۲۱ - ۱۶۴۴ء) کے حقیقی بڑے بھائی تھے۔ آپ ہی نے شاہ عبدالرحیمؒ کو پڑھایا لکھایا اور تعلیم و تربیت دی تھی، موصوف میں جو بھی کمالات اور اعلیٰ اخلاق و عادات پائے جاتے تھے وہ سب آپ ہی کی بے مثال تربیت اور پرورش کا نتیجہ تھے، اس لحاظ سے خاندانِ ولی اللہی کو چار چاند لگانے میں شاہ ابوالرضا محمد الہندیؒ (۱۱۰۰ - ۱۰۴۵ھ) کا بہت زیادہ ہاتھ تھا، آپ کے حالات و کوائف میں شاہ ولی اللہؒ صاحب نے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے جس کا نام شوارق المعرفۃ ہے، اس سلسلہ میں تمام تذکرہ نگاروں کا یہی ماخذ ہے چنانچہ میں بھی اسی رسالہ کو سامنے رکھ کر آپ کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔

ولادت

ابوالمظفر شہاب محمد شاہجہاں (۱۶۵۸ - ۱۶۲۸ء) جس عہد میں ہندوستان کا وارث تخت و تاج تھا اور سلطنت مغلیہ کا ستارۂ عروج و اقبال اپنے معراجِ کمال پر تھا ٹھیک اسی دور میں شاہ وجیہہ الدین شہیدؒ کے گھر میں لگ بھگ ۱۰۴۵ھ میں ایک فرزند گرامی تولد ہوا۔ جو آگے چل کر شاہ ابوالرضا الہندی کے نام سے مشہور ہوا[1] جس زمانے میں آپ کی پیدائش

---

[1] حیات ولی - مولوی رحیم بخش دہلوی - ص۱۷۶ افضل المطابع دہلی ۱۳۱۹ھ۔

ہوئی اس زمانے میں شاہ وجیہہ الدین دنیاوی اعتبار سے ایک معمولی حیثیت کے آدمی تھے مگر جوں جوں دور شاہجہانی کے اختتام کا زمانہ قریب آتا گیا اور اورنگ زیب عالمگیر غازیؒ (۱۷۰۷ - ۱۶۵۸ء) کا نیر اقبال بلند تر ہوتا گیا شاہ وجیہہ الدین کی قبولیت اور شہرت میں اضافہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ عالمگیر کے عہد میں آپ کو شجاعت و بہادری کی بنا پر دربار شاہی میں ایک معزز و مقتدر مقام حاصل ہو گیا، اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ ابوالرضا کا بچپن جو اب تک تنگدستی اور عسرت میں بسر ہوتا تھا نہایت خوشحالی اور فارغ البالی میں بسر ہونے لگا۔

تعلیم و تربیت

شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ شاہ ابوالرضا محمد نے ظاہری علوم و فنون حافظ بصیر دہلویؒ سے حاصل کئے جو اپنے عہد کے مشہور علماء و فضلاء میں شمار کئے جاتے تھے۔ بقول شاہ صاحبؒ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہبی طور پر تمام علوم و فنون سے بہرہ ور فرمایا تھا اور قدرتاً آپ میں جملہ علمی کمالات بدرجہ اتم موجود تھے مگر پھر بھی تکوینی قوانین کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ نے بھی ایک عام طالب علم کی حیثیت سے حافظ بصیر دہلوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا[1] تھوڑے ہی عرصہ میں علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر لی۔ درسیات سے فارغ ہونے کے بعد اپنے آبا و اجداد کی روش کے مطابق تصوف کی طرف راغب ہوئے لہٰذا سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور و معروف بزرگ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس اللہ سرہٗ (۱۶۰۳ - ۱۵۶۳ء) کے سب سے چھوٹے صاحبزادے خواجہ عبداللہ المعروف بہ خواجہ خورد[2]

---

[1] شوارق المعرفۃ شاہ ولی اللہؒ (مشمولہ انفاس العارفین)۔

[2] خاندان نقشبندیہ کے پیش رو خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے دو فرزند تھے ایک خواجہ عبیداللہ المعروف بہ خواجہ کلاں اور دوسرے عبداللہ المعروف بہ خواجہ خورد تھے۔ آپ حضرت خواجہ کی دوسری بیوی کے بطن سے ۱۰ رجب ۱۰۱۱ھ کو پیدا ہوئے تعلیم و تربیت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی آغوش شفقت میں رہ کر حاصل کی انہیں سے طریقہ نقشبندیہ کو اخذ کیا اور اس سلسلہ کی اجازت لے کر وطن مالوف دہلی واپس آ گئے۔ یہاں آپ نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہ کے خلیفہ خواجہ حسام الدینؒ اور شیخ اللہ داد کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کیا اور پھر درس و تدریس و رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ اس دور کے اکثر اکابر

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے علاوہ کچھ کتب مروجہ کے باطنی علوم بھی حاصل کئے[1] لیکن روضۃ القیومیۃ کے مصنف نے شاہ عبدالرحیمؒ اور شاہ ابوالرضا الہندیؒ کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مشہور خلیفہ شیخ آدم بنوریؒ کا مرید لکھا ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

"شیخ عبدالرحیم، شیخ محمد رضا، دونوں شیخ آدم کے معتبر خلفاء میں سے ہیں نہایت مستقیم الاحوال تھے، صاحب کرامت و خوارق تھے، اپنے وقت کے مشہو مشائخ خیال کئے جاتے تھے۔ حضرت قیوم رابع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ان کی بہت تعریف کی ہے اب ان کا سلسلہ بہت جاری ہے ان کے مرید ہزاروں کی تعداد میں ہیں ان کی اولاد کا سلسلہ دو جگہ پر ہے ایک پرانی دلی میں دوسرا شاہجہان آباد کے قریب پھلت نام کے قصبہ میں ہے[2]"

بیعت و ارادت

بہرکیف آپ نے چاہے خواجہ خُرد رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی فیوض حاصل کئے ہوں یا شیخ آدم بنوریؒ سے مگر تصوف کی اصطلاح میں تھے آپ اویسی المشرب یعنی براہ راست اکابر اولیاء اللہ اور مشائخ کی ارواح مقدسہ سے فیض یافتہ تھے جیسا کہ خود فرماتے تھے کہ ایک بار میں خواجہ خُرد کی خدمت میں حاضر تھا کہ شیخ تاج سنبھلی جو خواجہ باقی باللہ کے اجل خلفاء میں تھے، کے مریدوں میں سے ایک شخص آیا جو ترک دنیا اور فقر و قناعت میں درجہ کمال رکھتا تھا اور اس پر غیبت طاری تھی خواجہ خُردؒ اس سے کچھ دریافت کرتے تھے تو اس کا جواب وہ غلبہ حال کی وجہ سے رک رک کر دیتا تھا۔ اسی اثنا میں خواجہ کی زبان سے نکلا کہ جو شخص معرفتِ خدا کا طالب ہو وہ اِس شخص کی صحبت اختیار کرے چناں چہ میرے دل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) علماء آپ کے حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے جن میں شاہ ابوالرضا محمدؒ اور شاہ عبدالرحیم دہلویؒ قابل ذکر ہیں۔ آپ صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے چناں چہ تصوف میں مختلف رسائل سپرد قلم فرمائے ہیں ۱۰۶۰ھ میں بمقام دہلی آپ کی وفات ہوئی اور اپنے والد ماجد کے مقبرہ کے اندر مدفون ہوئے (ملخص از زبدۃ المقامات ص ۶۸۔۷۰ و علماء ہند کا شاندار ماضی حصہ اول ص ۳۹۰)

[1] حیات ولی۔ حافظ رحیم بخش دہلوی ص ۱۷۹۔

[2] روضۃ القیومیۃ ص ۲۵۴۔۵۵ رکن اول مترجم مصنفہ ابوالفیض کمال الدین محمد احسانؒ